

سُورَةُ الْبَقَرَةِ

آیات ۱۱۳ تا ۱۲۳

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَنَبِيِّنَا عَلَى شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصْرَى لَنَبِيِّنَا عَلَى شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ قَالَ اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَإِنَّمَا تَوَلَّوْا فُتُوحَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۚ سُبْحَنَهُ ۚ بَلْ لَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ كُلُّ لَّهُ قِنْدٌ ۚ لَّهُ قِنْدُونَ ﴿۱۱۶﴾ يَدْبَعُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَإِذَا قُضِيَ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۱۱۷﴾ وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ ۚ قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿۱۱۸﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ ﴿۱۱۹﴾ وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصْرَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۚ قُلْ إِنَّ هُدَىٰ اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ ۚ وَلَئِنَّ آتِبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ

الْعِلْمَ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿١٠﴾ الَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابُ
يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ ۖ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۖ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ
الْخٰسِرُونَ ﴿١١﴾ يٰٓبَنِي إِسْرَآءِ ۖ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ
وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿١٢﴾ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ
نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَلَا هُمْ
يُنصَرُونَ ﴿١٣﴾

آیت ۱۳ ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصْرُاٰی عَلَىٰ شَيْءٍ س﴾ ”یہودی کہتے ہیں

ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے، کوئی جڑ بنیاد نہیں ہے۔

﴿وَقَالَتِ النَّصْرُاٰی لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ﴾ ”اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ

یہود کسی بنیاد پر نہیں ہیں“

اُن کی کوئی بنیاد نہیں ہے، یہ بے بنیاد لوگ ہیں، ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

﴿وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتٰبَ﴾ ”حالانکہ دونوں ہی کتاب پڑھ رہے ہیں۔“

عہد نامہ قدیم (Old Testament) یہودیوں اور عیسائیوں میں مشترک ہے۔ یہ

بہت اہم نکتہ ہے اور امریکہ میں جدید عیسائیت کی صورت میں ایک بہت بڑی طاقت جو ابھر

رہی ہے وہ عیسائیت کو یہودیت کے رنگ میں رنگ رہی ہے۔ رومن کیتھولک مذہب نے تو

بائبل سے اپنا رشتہ توڑ لیا تھا اور سارا اختیار پوپ کے ہاتھ میں آ گیا تھا، لیکن پروٹسٹنٹس

(Protestants) نے پھر بائبل کو قبول کیا۔ اب اس کی منطقی انتہا یہ ہے کہ عہد نامہ قدیم پر

بھی ان کی توجہ ہو رہی ہے اور وہ کہہ رہے ہیں کہ اسے بھی ہم اپنی کتاب مانتے ہیں اور اس میں

جو کچھ لکھا ہے اسے ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ امریکہ میں ہم نے ایک سیمینار منعقد کیا تھا، جس

میں ایک یہودی عالم نے کہا تھا کہ اس وقت اسرائیل کو سب سے بڑی نصرت و حمایت امریکہ

کے اُن عیسائیوں سے مل رہی ہے جو Evengelists کہلاتے ہیں اور وہاں پر ایک بڑا

فرقہ بن کر ابھر رہے ہیں۔ بہر حال یہ اُن کا طرزِ عمل بیان ہوا ہے۔

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا يَتْلُونَ كِتٰبَ اللَّهِ ذِكْرًا ۖ وَلَهُمْ حَقُّ تِلَاوَتِهِ ۗ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ﴾ ”اسی طرح کہی تھی اُن لوگوں

نے جو کچھ بھی نہیں جانتے، ان ہی کی سی بات۔“

یہاں اشارہ ہے مشرکین مکہ کی طرف۔

﴿قَالَ اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ﴾ ”پس اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دے گا ان کے مابین قیامت کے دن ان تمام باتوں کا جن میں یہ اختلاف کر رہے تھے۔“

اب دیکھئے اس سلسلہ کلام کی بقیہ آیات میں بھی اگرچہ خطاب تو بنی اسرائیل ہی سے ہے، لیکن اب یہاں پر اہل مکہ سے کچھ تعریف شروع ہو گئی ہے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ آئے گا، پھر تحویل قبلہ کا ذکر آئے گا۔ بیت اللہ چونکہ اُس وقت مشرکین مکہ کے قبضے میں تھا، لہذا اس حوالے سے کچھ متعلقہ مضامین آرہے ہیں اور تحویل قبلہ کی تمہید باندھی جا رہی ہے اور اس مقام پر ایک نئی امت، امت محمدیہ ﷺ کی تقرری عمل میں لائی جا رہی ہے۔ اسی حوالے سے ﴿كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ﴾ کے الفاظ میں مشرکین مکہ کی طرف اشارہ کیا گیا۔

آیت ۱۱۲ ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ﴾ ”اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے (لوگوں کو) روکے کہ ان میں اس کا نام لیا جائے؟“

مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو مسجد حرام میں حاضری سے محروم کر دیا تھا اور ان کو وہاں جانے کی اجازت نہ تھی۔ ۶ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ عمرے کے ارادے سے مکہ کا سفر فرمایا، لیکن مشرکین نے آپ اور آپ کے ساتھیوں کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی۔ اس موقع پر صلح حدیبیہ ہوئی اور آپ کو عمرہ کیے بغیر واپس آنا پڑا۔ پھر اگلے برس ۷ ہجری میں آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ عمرہ ادا کیا۔ تو یہ سات برس محمد رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان پر بہت شاق گزرے ہیں۔ یہاں مشرکین مکہ کے اس ظلم کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہوں نے اہل ایمان کو مسجد حرام سے روک رکھا ہے۔

﴿وَسَعَى فِي خَوَابِهِمْ﴾ ”اور وہ ان کی تخریب کے درپے ہو؟“

نے جو کچھ بھی نہیں جانتے، ان ہی کی سی بات۔“

یہاں اشارہ ہے مشرکین مکہ کی طرف۔

﴿قَالَ اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ﴾ ”پس اللہ

تعالیٰ فیصلہ کر دے گا ان کے مابین قیامت کے دن ان تمام باتوں کا جن میں یہ اختلاف کر رہے تھے۔“

اب دیکھئے اس سلسلہ کلام کی بقیہ آیات میں بھی اگرچہ خطاب تو بنی اسرائیل ہی سے ہے، لیکن اب یہاں پر اہل مکہ سے کچھ تعریض شروع ہو گئی ہے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ آئے گا، پھر تحویل قبلہ کا ذکر آئے گا۔ بیت اللہ چونکہ اُس وقت مشرکین مکہ کے قبضے میں تھا، لہذا اس حوالے سے کچھ متعلقہ مضامین آرہے ہیں اور تحویل قبلہ کی تمہید باندھی جا رہی ہے اور اس مقام پر ایک نئی اُمت، اُمت محمد ﷺ کی تقرری عمل میں لائی جا رہی ہے۔ اسی حوالے سے ﴿كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ﴾ کے الفاظ میں مشرکین مکہ کی طرف اشارہ کیا گیا۔

آیت ۱۱۴ ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ﴾ ”اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے (لوگوں کو) روکے کہ ان میں اس کا نام لیا جائے؟“

مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو مسجد حرام میں حاضری سے محروم کر دیا تھا اور ان کو وہاں جانے کی اجازت نہ تھی۔ ۶ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ عمرے کے ارادے سے مکہ کا سفر فرمایا، لیکن مشرکین نے آپ اور آپ کے ساتھیوں کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی۔ اس موقع پر صلح حدیبیہ ہوئی اور آپ کو عمرہ کیے بغیر واپس آنا پڑا۔ پھر اگلے برس ۷ ہجری میں آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ عمرہ ادا کیا۔ تو یہ سات برس محمد رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان پر بہت شاق گزرے ہیں۔ یہاں مشرکین مکہ کے اس ظلم کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہوں نے اہل ایمان کو مسجد حرام سے روک رکھا ہے۔

﴿وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهِ﴾ ”اور وہ ان کی تخریب کے درپے ہو؟“

خراب اور تخریب کا مادہ اصلی ایک ہی ہے۔ تخریب دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک ظاہری تخریب کہ مسجد کو گرا دینا، اور ایک باطنی اور معنوی تخریب کہ اللہ کے گھر کو توحید کی بجائے شرک کا اڈہ بنا دینا۔ مشرکین مکہ نے بیت اللہ کو بت کدہ بنا دیا تھا۔

دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا

ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا!

خانہ کعبہ میں ۶۰ بت رکھ دیے گئے تھے جسے ابراہیم علیہ السلام نے توحید خالص کے لیے تعمیر کیا تھا۔ مساجد کے ساتھ لفظ ”خراب“ ایک حدیث میں بھی آیا ہے۔ یہ بڑی دلدوز حدیث ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ اسے ذہن نشین کر لیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((يُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ)) اور یہ ہے کہ رسول پر (یعنی میری امت پر) ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ ((لَا يَبْقَى مِنَ الْإِسْلَامِ إِلَّا اسْمُهُ)) ”اسلام میں سے اس کے نام کے سوا کچھ نہیں بچے گا“ ((وَلَا يَبْقَى مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا رِسْمُهُ)) ”اور قرآن میں سے اس کے رسم الخط (الفاظ اور حروف) کے سوا کچھ نہیں بچے گا“۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کی ضمانت دی ہے کہ قرآن حکیم کے الفاظ و حروف من وعن محفوظ رہیں گے۔ ((مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الْهَدْيِ)) ”ان کی مسجدیں آباد تو بہت ہوں گی لیکن ہدایت سے خالی ہو جائیں گی“۔ یہاں بھی لفظ ”خراب“ نوٹ کیجیے۔ گویا معنوی اعتبار سے یہ ویران ہو جائیں گی۔ ((عُلَمَاؤُهُمْ شَرٌّ مَنْ تَحْتَ أَدِيمِ السَّمَاءِ)) ”ان کے علماء آسمان کی چھت کے نیچے کے بدترین انسان ہوں گے“۔ ((مَنْ عِنْدَهُمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيهِمْ تَعُودٌ)) (۱) ”فتنہ ان ہی کے اندر سے برآمد ہوگا اور انہی میں گھس جائے گا“۔ یعنی ان کا کام ہی فتنہ انگیزی، مخالفت اور جنگ و جدال ہوگا۔ اپنے اپنے فرقے کے لوگوں کے جذبات کو بھڑکاتے رہنا اور مسلمانوں کے اندر اختلافات کو ہوا دینا ہی ان کا کام رہ جائے گا۔

آج جن کو ہم علماء کہتے ہیں ان کی عظیم اکثریت اس کیفیت سے دوچار ہو چکی ہے۔ جب مذہب اور دین پیشہ بن جائے تو اس میں کوئی خیر باقی نہیں رہتا۔ دین اور مذہب پیشہ نہیں

(۱) رواہ البيهقي في ”شعب الايمان“ وابن عدي في ”الكامل“ وابو عمرو الداني في ”السنن

تھا، لیکن اسے پیشہ بنالیا گیا۔ اسلام میں کوئی پیشوائیت نہیں، کوئی پاپائیت نہیں، کوئی برہمیت نہیں۔ اسلام تو ایک کھلی کتاب کی مانند ہے۔ ہر شخص کتاب اللہ پڑھے، ہر شخص عربی سیکھے اور کتاب اللہ کو سمجھے۔ ہر شخص کو عبادات کے قابل ہونا چاہیے۔ ہر شخص اپنی بچی کا نکاح خود پڑھائے، اپنے والد کا جنازہ خود پڑھائے۔ ہم نے خود اسے پیشہ بنا دیا ہے اور عبادات کے معاملے میں ایک خاص طبقے کے محتاج ہو گئے ہیں۔ مرزا غالب نے کہا تھا: ع

پیشے میں عیب نہیں رکھیے نہ فرہاد کو نام!

ایک چیز جب پیشہ بن جاتی ہے تو اس میں پیشہ ورانہ جسمیں اور رقابتیں در آتی ہیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بات واضح رہے کہ دنیا کبھی علماء حق سے خالی نہیں ہوگی۔ چنانچہ یہاں علماء حق بھی ہیں اور علماء سوسمی ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی اکثریت کا حال وہی ہو چکا ہے جو حدیث میں بیان ہوا ہے: **وَرَنَ أُمّتُ کَا یوں پڑھ غرق نہ ہوتا۔**

﴿أَوَلَيْکَ مَا کَانَ لَهُمْ أَنْ یَذْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِینَ﴾ ”ایسے لوگوں کو تو ان میں داخل ہی نہیں ہونا چاہیے مگر ڈرتے ہوئے۔“

ان لوگوں کو لائق نہیں ہے کہ اللہ کی مسجدوں میں داخل ہوں، یہ اگر وہاں جائیں بھی تو ڈرتے ہوئے جائیں۔

﴿لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ﴾ ”ان کے لیے دنیا میں بھی ذلت و رسوائی ہے“

﴿وَلَهُمْ فِی الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیمٌ﴾ ”اور آخرت میں ان کے لیے عذاب

عظیم ہے۔“

اگلی آیت میں تحویل قبلہ کے لیے تمہید باندھی جا رہی ہے۔ قبلہ کی تبدیلی بڑا حساس معاملہ تھا۔ جن لوگوں کو یروشلیم اور بیت المقدس کے ساتھ دلچسپی تھی ان کے دلوں میں اُس کی عقیدت جا گزری تھی، جبکہ مکہ مکرمہ اور بیت اللہ کے ساتھ جن کو دلچسپی تھی ان کے دلوں میں اس کی محبت و عقیدت تھی۔ تو اس حوالے سے قبلہ کی تبدیلی کوئی معمولی بات نہ تھی۔ ہجرت کے بعد قبلہ دو دفعہ بدلا ہے۔ مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کا قبلہ بیت اللہ تھا۔ مدینے میں آ کر رسول اللہ ﷺ نے سولہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی اور پھر بیت اللہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم آیا۔ اس طرح اہل ایمان کے کئی امتحان ہو گئے، ان کا ذکر آگے آ جائے گا۔ لیکن یہاں اس کی

تمہید بیان ہو رہی ہے۔ فرمایا:

آیت ۱۱۵ ﴿وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ﴾ ”اور مشرق اور مغرب سب اللہ کے ہیں۔“

یعنی اگر ہم مغرب کی طرف رخ کرتے ہیں تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اللہ مغرب میں ہے (معاذ اللہ)۔ اللہ تو جہت اور مقام سے ماوراء ہے، وراء الراء ثم وراء الراء ہے۔ یہ تو یکسانیت پیدا کرنے کے لیے اور اجتماعی رنگ دینے کے لیے ایک چیز کو قبلہ بنا دیا گیا ہے۔ یہ تو ایک علامت ہے۔ غالب نے کیا خوب کہا ہے:۔

ہے پرے سرحد ادراک سے اپنا مسجد
قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں!

قبلہ ہمارا مسجد تو نہیں ہے!

﴿فَإِنَّمَا تَوَلَّوْا فَنَمَّ وَجْهُ اللَّهِ﴾ ”پس جدھر بھی تم رخ کرو گے اُدھر ہی اللہ کا

© rasailojaraid.co

﴿إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ ”یقیناً اللہ بہت وسعت والا سب کچھ جانے

والا ہے۔“

وہ بہت وسعت والا ہے، وہ کسی بھی سمت میں محدود نہیں ہے، اور ہر شے کا جاننے

والا ہے۔

تحویل قبلہ کی تمہید کے طور پر ایک آیت کہہ کر اب پھر اصل سلسلہ کلام جوڑا جا رہا ہے:

آیت ۱۱۶ ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ﴾ ”اور ان (میں) وہ بھی ہیں

جن) کا قول ہے کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا ہے۔ وہ تو ان باتوں سے پاک ہے۔“

ظاہر بات ہے یہاں پھر اہل مکہ ہی کی طرف اشارہ ہو رہا ہے جن کا یہ قول تھا کہ اللہ نے

اپنے لیے اولاد اختیار کی ہے۔ وہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ نصاریٰ کہتے تھے کہ مسیح

اللہ کے بیٹے ہیں، اور یہودیوں کا بھی ایک گروہ ایسا تھا جو حضرت عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا کہتا تھا۔

﴿بَلْ لَّهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ”بلکہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے

اسی کی ملکیت ہے۔“

سب مخلوق اور مملوک ہیں، خالق اور مالک صرف وہ ہے۔

﴿كُلُّ لَهٗ قٰتِلُوْنَ﴾ ”سب کے سب اسی کے مطیع فرمان ہیں۔“

© rasailojaraid.co

بڑے سے بڑا رسول ہو یا بڑے سے بڑا ولی یا بڑے سے بڑا فرشتہ یا بڑے بڑے اجرام سماویہ سب اسی کے حکم کے پابند ہیں۔

آیت ۱۱ ﴿بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ”وہ نیا پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا۔“

وہ بغیر کسی شے کے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے۔ ”ابداع“ اور ”خلق“ میں فرق نوٹ کیجیے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے جتہ اللہ البالغہ کے پہلے باب میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال بنیادی طور پر تین ہیں: ابداع، خلق اور تدبیر۔ ابداع سے مراد ہے عدم محض سے کسی چیز کو وجود میں لانا جسے انگریزی میں ”creation ex nihilo“ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جبکہ خلق ایک چیز سے دوسری چیز کا بنانا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے گارے سے انسان بنایا۔ آگ سے جنات بنائے اور نور سے فرشتے بنائے، یہ تخلیق ہے۔ تو ”بدیع“ وہ ذات ہے جس نے کسی شے کو تخلیق کیا ہے بغیر ایک کی کائنات پیدا فرمادی۔ ہمارے ہاں ”بدعت“ وہ شے کہلاتی ہے جو دین میں نہیں تھی اور خواہ مخواہ لا کر شامل کر دی گئی۔ جس بات کی جڑ بنیاد دین میں نہیں ہے وہ بدعت ہے۔

﴿وَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ ”اور جب وہ کسی معاملے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس سے بس یہی کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔“

آیت ۱۸ ﴿وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”اور کہا اُن لوگوں نے جو علم نہیں رکھتے“

یہاں پر مشرکین مکہ کی طرف روئے سخن ہے۔

﴿لَوْلَا يَكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ﴾ ”کیوں نہیں بات کرتا ہم سے اللہ یا کیوں نہیں آ جاتی ہمارے پاس کوئی نشانی؟“

مشرکین مکہ کا رسول اللہ ﷺ سے بڑی شدت کے ساتھ یہ مطالبہ تھا کہ آپ کوئی ایسے معجزات ہی دکھا دیں جیسے آپ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے دکھائے تھے یا موسیٰ علیہ السلام نے دکھائے تھے۔ اگر آپ ہمارے یہ مطالبے پورے کر دیں تو ہم آپ کو اللہ کا رسول مان لیں گے۔ یہ مضمون تفصیل کے ساتھ سورۃ الانعام میں اور پھر سورۃ بنی اسرائیل میں آئے گا۔

﴿كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ﴾ ”اسی طرح کی باتیں جو لوگ

ان سے پہلے تھے وہ بھی کہتے رہے ہیں۔“

﴿تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ﴾ ”ان کے دل ایک دوسرے سے مشابہ ہو گئے ہیں۔“

﴿قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ ”ہم تو اپنی آیات واضح کر چکے ہیں ان

لوگوں کے لیے جو یقین کرنا چاہیں۔“

آیت ۱۱۹ ﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا﴾ ”(اے نبی!) بے شک ہم

نے آپ کو بھیجا ہے حق کے ساتھ بشیر اور نذیر بنا کر“

آپ کی بنیادی حیثیت یہ ہے کہ آپ اہل حق کو جنت اور اس کی تمام تر نعمتوں کی

بشارت دیں اور جو غلط راستے پر چل پڑیں کفر کریں منافقت میں مبتلا ہوں، ملحد ہوں اور بد عملی

کرس اُن کو آپ خبردار کر دیں کہ ان کے لیے جہنم تیار کر دی گئی ہے۔ آپ کا کام دعوتِ

ابلاغ، تبلیغ اور طاعت ہے۔

﴿وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ﴾ ”اور آپ سے سوال نہیں کیا جائے گا

جہنمیوں کے بارے میں۔“

جو لوگ اپنے طرزِ عمل کی بنا پر جہنم کے مستحق قرار پا گئے ہیں ان کے بارے میں آپ

ذمہ دار نہیں ہیں۔ آپ سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ یہ کیوں جہنم میں پہنچ گئے؟ آپ کے

ہوتے ہوئے یہ جہنمی کیوں ہو گئے؟ نہیں یہ آپ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ کون جنت میں جانا

چاہتا ہے اور کون جہنم میں یہ آدمی کا اپنا فیصلہ ہے۔ آپ کا کام حق کو واضح کر دینا ہے اس کی

وضاحت میں کمی نہ رہ جائے، حق واضح ہو جائے، کوئی اشتباہ باقی نہ رہے، بس یہ ذمہ داری آپ

کی ہے اس سے زیادہ نہیں۔ انسان اگر اپنی اصل مسؤلیت سے زیادہ ذمہ داری اپنے سر پر

ڈال لے تو خواہ مخواہ مشکل میں پھنس جاتا ہے۔ ہمارے ہاں کی بہت سی جماعتیں اسی طرح کی

غلطیوں کی وجہ سے غلط راستے پر پڑ گئیں اور پوری کی پوری تحریکیں برباد ہو گئیں۔ رسول

اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ کسی طرح یہ علماء یہود ایمان لے آئیں اور جہنم کا ایندھن نہ بنیں۔ ان

کے لیے آپ ﷺ نے اللہ کے حضور دعائیں کی ہوں گی۔ جیسے کی دُور میں آپ دعائیں مانگتے

تھے کہ اے اللہ! عمرو بن ہشام اور عمر بن خطاب میں سے کسی ایک کو تو میری جھولی میں ڈال

دے اور اس کے ذریعے سے اسلام کو قوت عطا فرما!

آیت ۱۲۰ ﴿وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾

”اور (اے نبی!) آپ کسی مغالطے میں نہ رہیے (ہرگز راضی نہ ہوں گے آپ سے یہودی اور نہ نصرانی جب تک کہ آپ پیروی نہ کریں ان کی ملت کی۔“

لہذا آپ ان سے اُمید منقطع کر لیجیے۔ اس لیے کہ زیادہ اُمید ہو تو پھر مایوسی ہو جاتی ہے۔ اقبال نے بندۂ مؤمن کے بارے میں بہت خوب کہا ہے: ع

”اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل!“

مقصد اونچا ہو، لیکن امید قلیل رہنی چاہیے۔ اللہ چاہے گا تو ہو جائے گا، نہیں چاہے گا تو نہیں ہو گا۔ بندۂ مؤمن کا کام اپنی حد تک اپنا فرض ادا کر دینا ہے۔ اس سے زیادہ کی خواہش اگر اپنے دل میں پالیں گے تو کسی عجلت پسندی میں گرفتار ہو جائیں گے اور کسی راہِ بے سر یا راہِ قصیر (short cut) کے ذریعے منزل تک پہنچنے کی کوشش کریں گے اور اپنے آپ کو بھی

© rasailojaraid.

﴿قُلْ إِنْ هَدَىٰ اللَّهُ هُوَ الْهَدَىٰ﴾ ”کہہ دیجیے ہدایت تو بس اللہ کی ہدایت ہے۔“

جو اللہ نے بتلایا ہے وہی سیدھا راستہ ہے۔

﴿وَلَنْ تَتَّبِعَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ﴾ ”اور (اے

نبی!) اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی اُس علم کے بعد جو آپ کے پاس آچکا ہے“

اگر بفرض محال آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی کہ چلو کچھ لو کچھ دو کا معاملہ کر لو کچھ ان کی بات مانو کچھ اپنی بات منوالو تو یہ طرزِ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں قابلِ قبول نہ ہوگا۔ مکہ میں قریش کی طرف سے اس طرح کی پیشکش کی جاتی تھی کہ کچھ اپنی بات منوالیجیے کچھ ہماری مان لیجیے compromise کر لیجیے اور اب مدینہ میں یہود کے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا۔ چنانچہ اس پر متنبہ کیا جا رہا ہے۔

﴿مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ﴾ ”تو نہیں ہوگا اللہ کے مقابلے میں

آپ کے لیے کوئی مددگار اور نہ حمایتی۔“ (معاذ اللہ!)

حق کی تلوار بالکل عریاں ہے۔ اللہ کا عدل ہر فرد کے لیے الگ نہیں ہے یہ فرد سے فرد

© rasailojaraid.

تک بدلتا نہیں ہے۔ ایسے ہی ہر قوم اور ہر امت کے لیے قانون تبدیل نہیں ہوتا۔ ایسا نہیں ہے کہ کسی ایک قوم سے کوئی ایک معاملہ ہو اور دوسری قوم سے کوئی دوسرا معاملہ۔ اللہ کے اصول اور قوانین غیر مبدل ہیں۔ اس ضمن میں اس کی ایک سنت ہے جس کے بارے میں فرمایا: ﴿فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا﴾ (فاطر) ”پس تم اللہ کے طریقے میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے اور تم اللہ کے طریقے کو ہرگز ملتا ہوا نہیں پاؤ گے۔“

آیت ۱۲۱

﴿الَّذِينَ اتَّبِعُهمُ الْكِتَابُ يَتْلُوهُ حَقًّا بِلاَ وَهٍ﴾ ”وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے۔“

اس پر میں نے اپنے کتابچے ”مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق“ میں بحث کی ہے کہ تلاوت کا اصل حق کیا ہے۔ ایک بات جان لیجیے کہ تلاوت کا لفظ جو قرآن نے اپنے لیے اختیار کیا ہے، بڑا جامع لفظ ہے۔ ”تَلَا يَتْلُو“ کا معنی پڑھنا بھی ہے اور ”تَلَا يَتْلُو“ کسی کے پیچھے پیچھے چلے (to follow) کو بھی کہتے ہیں۔ سورۃ الشمس کی پہلی دو آیات ملاحظہ کیجیے: ﴿وَالشَّمْسُ وَضُحَاهَا ۝۱ وَالْقَمَرُ إِذَا تَلَّهَا ۝۲﴾ ”قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی۔ اور قسم ہے چاند کی جب وہ اس کے پیچھے آتا ہے۔“ جب آپ کوئی کتاب پڑھتے ہیں تو آپ اس کے متن (text) کے پیچھے پیچھے چل رہے ہوتے ہیں۔ چنانچہ بعض لوگ جو زیادہ ماہر نہیں ہوتے، کتاب پڑھتے ہوئے اپنی انگلی ساتھ ساتھ چلاتے ہیں تاکہ نگاہ ادھر سے ادھر نہ ہو جائے، ایک سطر سے دوسری سطر پر نہ پہنچ جائے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتاب کی تلاوت کا اصل حق یہ ہوگا کہ آپ اس کتاب کو follow کریں، اسے اپنا امام بنائیں، اس کے پیچھے چلیں، اس کا اتباع کریں، اس کی پیروی کریں، جس کی ہم دعا کرتے ہیں: وَاجْعَلْهُ لِي إِمَامًا وَنُورًا وَهُدًى وَرَحْمَةً ”اور اسے میرے لیے امام اور روشنی اور ہدایت اور رحمت بنا دے!“ اللہ تعالیٰ اس قرآن کو ہمارا امام اُسی وقت بنائے گا جب ہم فیصلہ کر لیں کہ ہم اس کتاب کے پیچھے چلیں گے۔

﴿أُوْلَٰئِكَ يَوْمُنُورٍ بِهِ﴾ ”وہی ہیں جو اس پر ایمان رکھتے ہیں۔“

یعنی جو اللہ کی کتاب کی تلاوت کا حق ادا کریں اور اُس کی پیروی بھی کریں۔ اور جو نہ تو تلاوت کا حق ادا کریں اور نہ کتاب کی پیروی کریں، لیکن وہ دعویٰ کریں کہ ہمارا ایمان ہے اس کتاب پر تو یہ دعویٰ جھوٹا ہے۔ از روئے حدیث نبوی: ((مَا آمَنَ بِالْقُرْآنِ مَنِ اسْتَحْلَ